المنکب بالمنکب و القدم بالقدم فی الصف ۲/۲۴۷ تعلیقا بالجزم)

۳۔ کندھے اور پاؤں ملانا۔

عن انس: وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه (بخاری ۲/۲۴۷)

ان روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نمازی آپس میں پورا پاؤں اور کندھے بھی ملائیں۔ پورا پاؤں ملائے بغیر ٹخنوں کا ملنا ممکن نہیں۔ گھٹنے بھی آسانی سے مل سکیں تو ملانا چاہئیں لیکن مشقت ہو تو اس میں رعایت ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

غالباً اسی لیے امام بخاری نے نعمان کی مذکورہ بالا حدیث میں سے گھٹنے ملانے کا لفظ اپنی کتاب میں شامل نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کندھوں اور گردنوں کو ایک ہی سیدھ میں رکھنے کی خاص تلقین فرمائی ہے۔ ''حاذوا بین المناکب'' (ابو داؤد ۱/۴۳۳ عن ابن عمر) ''حاذوا بالأعناق'' (ابو داؤد ۱/۴۳۴، نسائی ۲/۹۲ عن انس)

کندھوں اور گردنوں کو برابر کرنے کے لیے ٹخنوں کا ایک دوسرے کی سیدھ میں ہونا ضروری ہے۔ جب ٹخنے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں تو انسان کا جسم ایک دوسرے کی سیدھ میں ہوتا ہے، کیونکہ ٹخنوں کے بالکل اوپر پنڈلیاں جسم انسانی کو اٹھائے کھڑی ہوتی ہیں۔ اور عملی طور پر مختلف جسامت کے افراد کا پاؤں ہی ایک دوسرے سے مل سکتا ہے، جبکہ قامت میں فرق ہونے کی صورت میں کندھے، گردن اور گھٹنے اوپر نیچے ہوتے ہیں۔ ٹخنے برابر ہونے کی صورت میں کندھے، گھٹنے اور گردن آگے پیچھے نہیں ہوتے۔

لہذا ہر نمازی پر لازم ہے کہ اپنے دونوں پاؤں بیرونی جانب سے بالکل متوازی (سیدھے) کر کے کھڑا ہو، اور اپنے دونوں کندھوں کے مابین فاصلے کے برابر ہی اپنے پاؤں پھیلا کر رکھے، تاکہ ہر شخص اپنا وزن خود اٹھائے، سیدھا کھڑا ہو اور جسم کو دائیں یا بائیں جھکا کر تھکانے سے بچ سکے۔ پاؤں متوازی ہوں اور ٹخنوں کی سیدھ میں ملائے جائیں۔ ''صف القدمین من السنة'' (ابو داود ۱/۴۷۹ عن ابن الزبیر) اگر پاؤں ایڑیوں کی سیدھ میں ملائے جائیں تو چھوٹے پیر والے پیچھے ہوں گے، اگر انگلیوں کی سیدھ میں ملائے جائیں تو لمبے پیر والے صف میں پیچھے ہوں گے۔

باقی سوال کا یہ بیان کہ پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ سیدھا ہونا ضروری ہے۔ یہ حالت سجدہ میں ہے، قیام میں اس کی صراحت نہیں ملتی۔ فاذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما واستقبل بأطراف أصابع رجلیه القبلة (بخاری، باب سنة الجلوس فی التشهد ۲/۳۵۵ عن ابی حمید) لہذا ٹخنوں کی سیدھ میں قدم متوازی رکھ کر ملانے سے اگر پاؤں یا اس کی انگلیوں کا رخ سمت قبلہ سے ذرا سا ترچھا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

۞۞۞۞۞

اصلاح عقیدہ، قسط:9

بدعت کی شرعی حیثیت

محمد حسن آصم صدیقیؒ

بدعت کے اطلاق میں فقہائے کرام کا منہج:

فتاوی کبیری، درمختار، فتاوی عجیب، فتاوی ابراہیم شاہی اور کنز العباد وشرح اوراد میں درج ہے: "یکرہ الدعاء عند ختم القرآن فی شهر رمضان وعند ختم القرآن بجماعة، لأن هذا لم ینقل عن النبی صلی الله علیه وسلم ولا عن الصحابة" رمضان المبارک میں دوران تراویح قرآن پاک کی قرأت مکمل ہونے کے موقع پر اور اسی طرح ختم قرآن کی تکمیل پر اجتماعی دعا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا کرنا منقول نہیں"۔

دیکھا آپ نے کہ فقہائے کرام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ترکِ فعل کو ''بدعت'' کی پہچان کا مستقل قاعدہ اور ضابطہ قرار دے کر متعدد مسائل میں اس سے استدلال کیا ہے!!

علامہ ابراہیم حلبی الحنفیؒ نے "صلاۃ الرغائب" (جو ماہ رجب میں پڑھی جاتی ہے) وغیرہ کے بدعت اور مکروہ ہونے کی یہ دلیل پیش کی ہے: "ان الصحابة والتابعین ومن بعدهم من الائمة المجتهدین لم ینقل عنهم"۔ (فتاوی کبیری) معروف فقیہ امام احمد بن محمد الحنفیؒ ایک مسئلے کی تحقیق میں یوں رقمطراز ہیں ''لأنها بدعة، لم تنقل عن الصحابة والتابعین.''

امام شافعی فرماتے ہیں: بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ بدعت ہے جو کتاب الٰہی، سنت نبویہ، اجماع امت یا کسی صحابیؓ کے اثر (روایت) کے خلاف ہو، ایسی ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور دوسری وہ، جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو، ایسی بدعت کبھی اچھی بھی ہوسکتی ہے، جیسے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''نعمت البدعة هذه'' باجماعت تراویح کا اہتمام اچھی ایجاد (لغوی بدعت) ہے۔

''بدعت حسنہ'' صرف وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص وجہ سے ترک کردی ہو جب وہ خاص عذر دور ہوجائے اور اس کے اہتمام میں عام لوگوں کے لیے مسنون عمل وعبادت کی ادائیگی میں سہولت اور ترغیب کا پہلو نمایاں ہو تو بارسوخ مجتہدین مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور وخوض کے بعد اس کے حق میں فتویٰ صادر کرتے ہیں اور وہ عمل جائز اجتہاد اور صحیح قیاس کی رو سے مشروع شمار ہوتا ہے۔

اگر اسے لغوی معنی کی مناسبت سے ''بدعت'' یعنی ''نیا عمل'' قرار دیا جائے تو لفظ ''حسنہ'' کے لاحقے سے متصف کرکے

لفظ ''بدعت'' کی شرعی قباحت سے پاک کیا جاسکتا ہے۔☆

جیسے کہ پہلے تفصیلا ذکر ہو چکا، ہر وہ مسئلہ جس کی کتاب وسنت اور اجماع میں صریح دلیل نہ ملے اور اس کے دواعی واسباب رسول اللہ ﷺ کی حیات پاک میں موجود ہوں، مگر آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے وہ عمل اختیار نہ کیا ہو، بعد کے کسی امام، فقیہ، مجتہد، مفسر یا محدث کے لیے ایسا کام ایجاد کرنا بالکل حرام اور سراسر بدعت ہے۔

خیر القرون کے بعد خواہشات نفسانی کے پیروکار نام نہاد علماء وفقہاء نے اس قسم کے بہت سے اعمال ایجاد کیے ہیں جنہیں ان کے حمایتی ومقلدین ''بدعت حسنہ'' کا نام دیتے ہیں۔ وہ سارے اعمال وعقائد اور ان کے نام کے ساتھ ''حسنہ'' کا لاحقہ سراسر باطل اور مردود ہے۔ اور انہی کے بارے میں کہا جاسکتا ہے ؎

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے　　اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

باب سوم: جواز بدعت کے دلائل اور ان کا جائزہ

جناب مفتی احمد یار خان صاحب نے درج ذیل شرعی دلائل اور اصولی قواعد سے بدعت کے جواز کا استدلال کیا ہے:

۱۔ ﴿یأیها الذین امنوا لاتسئلوا عن أشیاء ان تبد لکم تسؤکم وان تسئلوا عنها حین ینزل القرآن تبد لکم﴾ (المائدۃ: ۱۰۱)

''اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جن کا جواب ظاہر کیا جائے تو تم پر گراں گزرے، اور اگر تم نزول قرآن کے زمانے میں ان سے متعلق پوچھتے رہیں تو انہیں ظاہر کیا جائے گا۔''

مفتی صاحب اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جن چیزوں کے بارے میں نص شرعی نہیں، وہ سارے کام جائز ہیں

☆ پھر جب اس اہتمام پر علمائے دین کا اتفاق ہو جائے تو اجماع امت کے باب میں داخل ہو کر حجت بن جاتا ہے، جیسا کہ باجماعت نماز تراویح اور وتر کے مسئلے میں ہے۔

البتہ جس نے اس حد سے تجاوز کر کے کسی ایجاد شدہ بدعت کو ''بدعت حسنہ'' قرار دیا تو اس کے بارے میں امام مالک نے کہا ہے: (من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة فقد زعم أن محمدا ﷺ خان الرسالة، لأن الله یقول: ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا) ''جو اسلام میں کسی بدعت کا ارتکاب کر کے اسے ''حسنہ'' قرار دے تو (نعوذ باللہ) یقیناً اس نے محمد ﷺ پر تبلیغ رسالت میں خیانت کا بہتان لگایا ہے۔ کیونکہ اللہ پاک فرماتا ہے: ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے''۔ (المائدۃ: ۳) پس جو کچھ اس روز دین نہیں تھا وہ آج دین نہیں ہوسکتا۔ (الاعتصام ۱/۴۹)　　(عبدالوھاب خان)

اس طرح بدعت بھی جائز ہو جائے گی۔ (1)

مفتی صاحب کہتے ہیں: ''ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی۔ یہ حضرات (وہابی اور گلابی وہابی یعنی دیوبندی) اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں۔'' (جاء الحق ص: ۲۱۹)

۲۔ ﴿قل لاأجد فی ما أوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الاأن یکون میتة.....﴾ (الأنعام: ۱۴۵) ''اے رسول ﷺ کہہ دیجیے جو کچھ میری طرف وحی کی گئی ہے، اس میں مجھے کسی کھانے والے کے کھانے سے متعلق حرمت کا حکم نہیں ملتا، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو ....'' (2)

۳۔ ﴿قل من حرم زینة الله التی أخرج لعباده والطیبات من الرزق﴾ (الأعراف: ۳۲) ''اے نبی ﷺ کہہ دیجیے: جو زینت وآسائش اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے اس کو اور پاکیزہ وعمدہ روزی کو کس نے حرام قرار دیا ہے؟'' (3)

۴۔ لکھتے ہیں: ''جو حضرات ہر بدعت یعنی ''نئے کام'' کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے ''الأصل فی الأشیاء الاباحة'' یعنی تمام چیزوں کی اصل اباحت ہے۔ بالفاظ دیگر: ہر چیز مباح اور حلال ہے۔

---

(1) آیت میں غیر منصوص مسائل سے متعلق سوالات سے منع کیا گیا، اگلی آیت میں فرمایا: ﴿قد سألها قوم من قبلکم ثم أصبحوا بها کافرین﴾ (المائدة: ۱۰۲) پچھلی امتوں میں سے بنی اسرائیل کی طرف سے قربانی والی گائے سے متعلق سوالات سورۃ البقرۃ (68-70) میں بیان ہوئے ہیں۔

صحابہ کرام کو بھی نزول قرآن کے وقت اس طرح کے سوالات سے منع کیا گیا۔ آیت کے سبب نزول سے متعلق روایات سے اس کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک خطبہ دیا تو ایک شخص نے پوچھا: میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے اس کے باپ کا نام بتایا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لا تسألوا عن أشیاء﴾ نیز ابن عباس کا بیان ہے کہ بعض لوگ مزاحیہ طور پر سوالات کرتے تھے، مثلاً کسی کی اونٹنی کھو جاتی تو پوچھتے: میری اونٹنی کہاں ہے؟ (بخاری، کتاب التفسیر ۸/۱۳۰)

(2) غالباً مفتی صاحب اس آیت سے اہل بدعت کے رسوم ورواج کے مواقع پر پیش کیے جانے والے پسندیدہ ڈشز مثلاً گیارہویں شریف یا عید میلاد کے حلوے، شیرینی اور روسٹ وغیرہ کی حلت کا استدلال کرنا چاہتے ہیں، جو غیر اللہ کے نام پر بطور نذر ونیاز تقسیم کیے جاتے ہیں۔ جبکہ کچھ اور اہل بدعت اس سے کوّے کی حلت کا استدلال کر چکے ہیں۔

(3) مفتی صاحب کا استدلال مساجد اور خود ساختہ حاجت رواؤں کے مقبروں کو فل ڈیکوریشن کے ساتھ حجلہ عروسی بنانے اور عرس پر ناچ گانے وغیرہ کی مشروعیت محسوس ہوتی ہے۔ (عبدالوھاب خان)